بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پاکستان کے دونوں بازو آج ایسے ہولناک سیلابوں سے دوچار ہیں جن کی مثال گذشتہ ایک صدی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صدہا میل کا لمبا چوڑا علاقہ زیرِ آب ہے۔ ایک طرف سے اگر خبر آتی ہے کہ پانی گھٹنا شروع ہوا ہے تو معاً دوسری جانب سے اطلاع ملتی ہے کہ سطحِ آب اور اونچی ہو رہی ہے۔ پہلا پانی اپنے بہاؤ کے لیے راستہ پا نہیں چکتا کہ اوپر سے کالی گھٹائیں سمندر کے سمندر اور انڈیل دیتی ہیں۔ کیفیت بالکل "آب از سر گذشت" کی ہے۔ تقریباً چار کروڑ افراد بلاواسطہ اس سیلاب کے ریلوں کی زد میں آگئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کی پوری آبادی اور مغربی پاکستان کا بھی ایک ایک فرد اس کی تباہ کاریوں کے نتائج میں حصہ دار ہے۔ مکانات اور جھونپڑے تباہ ہو رہے ہیں۔ اثاثے خس و خاشاک بن کر بہ گئے ہیں، فصلیں زیرِ آب ہیں، مویشی ہلاک ہو گئے ہیں، کھانے پینے کی اشیا کی تباہی نے "مفلسی میں آٹا گیلا" کا سماں پیدا کر دیا ہے، معصوم بچوں کی ایک کثیر تعداد کو موجوں نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے، سانپوں اور بچھوؤں نے انسانی جانوں پر اچانک یورش کر رکھی ہے، لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چڑیوں کی طرح درختوں کی شاخوں پر بسیرا لئے بیٹھے ہیں۔ دھوپ، ہوا اور بارش سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، حتیٰ کہ تن ڈھانکنے کو ہمارے ہزاروں بھائی بہنیں ایک ایک چیتھڑے کے محتاج ہیں۔ یہ صبر آزما آزمائش گھنٹے دو گھنٹے کی نہیں، دو چار روز کی نہیں بلکہ معاملہ ہفتوں سے گذر کر مہینوں کی گنتی کی طرف جا رہا ہے۔

پھر یہ تباہی افراد ہی کے دائرۂ حیات تک محدود نہیں۔ سارے پاکستان کا پورا نظامِ رسل و رسائل خطرے میں پڑ گیا ہے، ریلوے لائنیں، سڑکیں، پل، تار اور ٹیلیفون کے سلسلے، دفاتر اور ان کی عمارات غرضیکہ ہماری اقتصادی زندگی کے جسم کے رگ و پے کا پورا سلسلہ شکست و ریخت سے دوچار ہے فصلوں

کی تباہی پورے پاکستان کی معیشت کو مجروح کر دینے والی ہے۔ ہمارے تمام صوبائی اور مرکزی تخمینے تہ و بالا ہو جانے والے ہیں اور بہت سے تعمیری منصوبے معرضِ التوا میں جاتے نظر آتے ہیں۔

ادھر پاکستان کے مغربی خطے کا حال یہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل انڈیا نے نہری پانی کا قضیہ پیدا کر کے ہزاروں مربع میل علاقے کی شادابی کو خطرے میں ڈال دیا تھا، اور کئی لاکھ افراد کے لیے اقتصادی لحاظ سے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا تھا، دوسری طرف قدرتِ خداوندی نے نظامِ ابر و باد کی باگ کچھ اس طرح موڑ دی تھی کہ ہمارے کھیتوں کا ایک ایک پودا اپنے پتوں کے دستِ دعا کو پھیلائے نمازِ استسقاء میں کھڑا تھا، لیکن دیا جابت بند تھا لیکن اب اسی خطے کا سب سے بڑا صوبہ بھی ایک انتہائی خوفناک سیلاب کی زد میں آگیا ہے۔ فی الواقعہ یہ ایک جھنجھوڑ دینے والی صورت حالات ہے

سوال یہ ہے کہ طبیعی نظام کے پرسکون سمندر میں یکایک ایسے ہولناک حوادث کے طوفان کیسے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں؟ معمول کی فضا میں یہ غیر معمولی حالات کی بجلیاں کیسے کوند جاتی ہیں؟ یکسانی کے ماحول میں ایسی ہلچل کس بنا پر نمودار ہو جاتی ہے؟ مادے کی آہنی ہمکنت میں اچانک اس طرح کی افتاد و خیز کہاں سے آجاتی ہے؟

ایک طبیعات پرست اس کے جواب میں ایک لفظ بول کے رہ جاتا ہے ——— "اتفاق"!

لیکن اس جواب کو سُن کر دوسرا سوال فوراً ذہن میں یہ آتا ہے کہ اگر سورج اور چاند اور تاروں کی گردش اتفاقی نہیں ہے، اگر زمین میں کشش محض اتفاقاً پیدا نہیں ہو گئی، اگر مائعات کا نشیب کی طرف بہنا اور اپنی سطح ہموار رکھنا اتفاق کا مرہونِ منت نہیں ہے، اگر مادہ میں سے نمو اور ارادے کی قوت کا ظہور کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے، اور اگر کائنات کے پورے نظم اور اس کے توافق کی تعبیر لفظِ اتفاق سے نہیں کی جا سکتی تو پھر دنیا کے ان بڑے بڑے حوادث کو جو ہزاروں انسانی زندگیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اتفاق کے عنوان سے کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

ایک مادہ پرست ذہن چونکہ مادی اسباب و علل کے پردے کے پیچھے کام کرنے والی قدیر و حکیم ہستی کا شعور نہیں رکھتا اس لیے وہ معمولاتِ فطرت کی حد تک تو طبیعی قوانین کی کھوج کرید کر لیتا ہے،

لیکن جب مسئلہ غیر معمولی حوادث کا سامنے آتا ہے تو ان کے پیچھے کام کرنے والا کوئی عقلی قانون وہ پیش نہیں کرسکتا۔ فوق الطبیعی قوانین الٰہی کے متعلق یہی جہل و عجز ہے جو "اتفاق" کے پردے میں اپنا منہ چھپا کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ کائنات کے حوادث، خصوصاً عالم انسانی کے واقعات کی توجیہ "اتفاق" سے کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس وسیع و عریض مادی نظام کو ایک اندھی نگری قرار دے دیا جس کا کوئی سر دھڑ نہیں جس کے تغیرات کے پس پردہ کوئی حکیمانہ منصوبہ بندی نہیں، جس کے کسی واقعہ میں کوئی مصلحت و حکمت نہیں، جس کی تاریخِ وجود کے مختلف لمحات میں کوئی ربط نہیں، اور جس کے احوال و شئون کی کڑیوں کو کوئی قانون جوڑنے والا نہیں۔ کیا ایسی اندھی نگری — اور اتنے بڑے پیمانے کی اندھی نگری ایک ساعت کے لیے بھی اپنے وجود کو برقرار رکھ سکتی ہے؟

انبیاء علیہم السلام نے جو درس معرفت و حکمت دیا ہے اس کے فیض سے مالا مال ہونے والی عقل ہی اس حقیقت کا پورا شعور رکھتی ہے کہ یہ کائنات ایک منظم مملکت ہے اور یہ سارا مادی نظم بالکل آئینی نظم ہے اور اس نظم کے اندر خود عالم انسانی سے فطرتِ الٰہیہ کا معاملہ قاعدے قانون کا معاملہ ہے۔ یہاں ایک ذرہ بھی اگر جنبش کرتا ہے تو وہ جنبش لایعنی نہیں ہوتی، یہاں ایک پتہ بھی اگر کھڑکھڑاتا ہے تو اس کی کھڑکھڑاہٹ فطرت کے "لا اینڈ آرڈر" کے تحت بامقصد ہوتی ہے، یہاں پیروں تلے روندا ہوا گھاس کا کوئی تنکا بھی اگر پڑے پڑے کروٹ بدلتا ہے تو الٰہی حکمت کے تحت بدلتا ہے۔

یہ ساری کی ساری مملکت نوعِ انسانی کی بقا کے لیے سازگار بنائی گئی ہے، تمام موجودات کو اس کی خدمت میں لگا دیا گیا ہے، اس میں انسانی ضرورت کی ہر شے کے خزانے بہم پہنچا دیے گئے ہیں اور ان کے منہ کھول دیئے گئے ہیں، اور پھر اس وسیع مملکت کے اس ارضی گوشے میں جو انسانی زندگی کے لیے منتخب کیا گیا ہے اولادِ آدم کو علم و خرد اور اخلاقی حس سے آراستہ کر کے ایک امتحانی دور گذارنے کے لیے محدود خود مختاری (AUTONOMY) دی گئی ہے۔ بالفاظِ دیگر خلافت و نیابت کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ یہ سب کچھ ایک شرط کے بدلے میں ہے کہ آدمی اپنی آزادی، اپنی عقل، اپنے قویٰ اور مادی ذرائع و

وسائل کو خدا کی بندگی و اطاعت میں مصروف رکھے اور اپنی خدائی جمانے یا دوسرے جعلی خداؤں کی بندگی و اطاعت میں صرف نہ کرے۔

کائنات کا اصل فرماں روا چونکہ انسانی حواس کے لیے پردۂ غیب میں ہے، لہٰذا آدمی کو بار بار اپنی پوزیشن کے بارے میں دھوکا ہوتا ہے۔ وہ بار بار اس غلط فہمی کا شکار ہوتا رہا ہے کہ اس کائنات میں وہی مختار ہے، اس سے اوپر کوئی اور نہیں۔

اس کی یہی وہ غلط فہمی ہے جس کا ازالہ کرنے کے لیے اور اس کی یہی وہ غفلت ہے جس کا پردہ چاک کرنے کے لیے کائنات کی اصل فرماں روا طاقت ہواؤں اور گھٹاؤں، بجلیوں اور پانیوں، طوفانوں اور زلزلوں کی پولیس اور فوج کو حرکت میں لاتی رہتی ہے اور حادثات کے کوڑوں کی ضرب لگا کر تادیب کرتی ہے۔ یہی ہوا جس پر زندگی کا دار و مدار ہے جب حکمِ الٰہی کے تحت بپھر جاتی ہے تو بستیاں کی بستیاں تلپٹ ہو جاتی ہیں۔ یہی گھٹائیں جن کو دعائیں کر کر کے بلایا جاتا ہے جب غضبِ خداوندی کی بجلیاں چمکاتی اور قہر کے اولے برساتی ٹوٹ پڑتی ہیں تو نباتات اور حیوانات اور انسانوں پر قیامت گزر جاتی ہے۔ یہی دریا اور ندی نالے جن کے پانیوں سے کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں جب اوپر سے اشارہ پا کر منہ میں جھاگ لائے امڈنے ہیں تو پانی سروں سے گزر جاتا ہے۔

مادہ پرست غیر معمولی طبعی حادثات کی توجیہ کرے گا تو کہے گا کہ آتش فشاں پہاڑ کی تہ میں لاوا ابھرا پڑا تھا، وہ امڈ پڑا اور بھونچال آگیا۔ مون سون ہواؤں نے پانی کی زیادہ مقدار بادلوں کی شکل میں کندھوں پر لاد کر کسی علاقے میں آ انڈیلی اور تباہی آگئی۔ پہاڑوں کی برف زیادہ مقدار میں پگھل بہی اور سیلاب آگیا۔ بارش نہ ہوئی اور قحط کی مصیبت آوارد ہوئی۔ یہ توجیہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص پولیس کے کسی چھاپے کے بارے میں یہ بیان کر دے کہ سپاہی آئے تو ایک جیپ میں بیٹھ کر آئے، یہ جیپ پٹرول کے زور سے چل رہی تھی اور فلاں سڑک سے ہو کر بستی میں داخل ہوئی، انہوں نے مجرموں کے مقابلے میں بندوقیں اور پستول استعمال کیے جو فولاد سے بنے ہوئے تھے، پھر انہیں گرفتار کیا تو لوہے کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ لیا۔ چنانچہ وہ ایسے چھاپوں سے بچاؤ کی اسکیم یہ وضع کرے گا کہ جس سڑک سے جیپ آئی تھی

اس کو توڑ پھوڑ کر ناقابلِ گزر بنا دیا جائے، یا جیپ کے پہیوں کو پنکچر کر دیا جائے۔ حادثات خدا کی گورنمنٹ کا پولیس ایکشن ہیں۔ خدا ناشناس ذہن اس ایکشن کے بارے میں صرف یہ ظاہری حقیقت بیان کر کے رہ جاتا ہے کہ یہ کیسے ہوا اور کونسی طاقتیں اور کیا کیا آلات و اسلحہ اس میں استعمال کیے گئے، اس کے بعد وہ اس ایکشن سے بچنے کے لیے سطحی تدابیر سوچتا ہے کہ قدرت کے آلات و اسلحہ سے بچاؤ کس طرح کیا جائے۔ وہ کچھ آلات و اسلحہ کا توڑ سوچتا ہے اور اس کے اہتمام پر سالہا سال کی محنتیں اور ملکی دولت کا بڑا حصہ صرف کر دیتا ہے، لیکن قدرت جب دوبارہ حملہ آور ہوتی ہے تو پہلے سے بھاری اسلحہ لاتی ہے اور بالکل نئے اسلوب اور نئے راستوں سے یورش کرتی ہے۔

مادہ پرستی میں گھری ہوئی عقل انسانی حوادث کے پس پردہ کام کرنے والے عذاب الٰہی کے قانون کو نہیں پا سکتی۔ یہ حقیقت اس کی نگاہ سے ہمیشہ اوجھل رہتی ہے کہ انسانی معاشروں کے لیے کوئی اخلاقی ضابطہ بھی ہے جو خیر و شر کے تمام طبعی و معاشرتی مظاہر کے پیچھے برسرِ عمل ہے۔ بھوک، بیماری، قحط، معاشی بے اطمینانی، تفرقہ، غلامی، جنگ، زلزلے، بجلیاں، سیلاب، طوفان، اولے اور نہ جانے کیسے کیسے مہیب عساکر اس گورنمنٹ کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں جو کائنات اور عالم انسانی پر اپنا تسلط رکھتی ہے۔ یہ عساکر کبھی سرکشوں کی تادیب و تنبیہ کے لیے دھاوا بولتے ہیں، کبھی باغی اور مفسد سلطنتوں اور قوموں کو قطعی طور پر ملیامیٹ کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں، اور کبھی ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک قوم میں خشیت، للہیت، احساسِ عجز، دردمندی، رقت اور رجوع الی الحق کے جذبات پیدا کر کے قبولِ ہدایت کی موزوں ذہنی فضا کی تخلیق فرماتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی انسانی گروہ کے اجتماعی کردار کا کسی خاص موقع پر امتحان لے کر اس کے نتیجہ کے مطابق اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ہم انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی تعلیم پر ایمان لانے والی قوم ہیں۔ لہٰذا ہمارے سامنے سیلاب کا ہولناک حادثہ صرف طبعی میدان میں یہ سوال پیدا کر کے نہیں رہ جاتا کہ سیلاب کن اسباب کے تحت آیا، آئندہ ایسے حادثوں سے بچنے کے لیے کن تدابیر کو عمل میں لایا جانا چاہیے، اس سیلاب کی

تباہ کاریوں کی تلافی کے لیے کیا منصوبۂ تعمیر پیش نظر رکھا جائے اور بجٹ میں اس منصوبے کے مصارف کے لیے کس طرح جگہ نکالی جائے، بلکہ ہمیں کچھ زیادہ تشویش اس امر پر ہونی چاہیے کہ کائنات کے فرماں روا سے بہ حیثیت افراد اور بحیثیت قوم کے ہمارا معاملہ کہیں سرکشی اور انحراف کا تو نہیں ہے جس کی وجہ سے تادیب کے کوڑے پے درپے برس رہے ہیں، اور پھر ہمیں پوری طرح فکرمند ہونا چاہیے کہ اپنا تعلق اپنے رب اور اپنے الٰہ سے از سرِ نو درست بنیادوں پر استوار کریں۔

اس تشویش اور فکرمندی کے ساتھ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم مسلمانوں جیسے نام دھرانے کے بعد از سرتا پا ایسی زندگیاں گذار رہے ہیں جن میں مسلمانی کا کوئی پرتو نظر نہیں آتا۔ ہم لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اپنی خواہشات کو، اپنے خاندانوں اور برادریوں کو، اپنی سیاسی اور مذہبی جتھابندیوں کو، مختلف لیڈروں اور اکابر کو کھلم کھلا عملی زندگی کے آلٰہہ بنائے ہوئے ہیں۔ ہم محمد صلعم کو خدا کا آخری نبی ماننے کا اعلان کرنے کے بعد زندگی کے لیے ہدایت اور اسوہ اور نمونہ دوسرے دروازوں سے جاکر حاصل کرتے ہیں۔ ہم میں ایک بڑی تعداد اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں کی ایسی موجود ہے جو خدا کے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کے خلاف دن رات حجت بازی میں مصروف رہتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کے لیے طرح طرح کے ادارے چلاتے ہیں اور طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں۔ ہمارے اندر بے شمار دیندار لوگ ایسے موجود ہیں جو ایک طرف نماز روزہ ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف علانیہ حرام خوری میں مصروف رہتے ہیں۔ متقیانہ اوصاف سے مزین ایسے پیکر پائے جاتے ہیں جو اپنے تقویٰ کو بدترین معصیت کاریوں کے ساتھ ترکیب دے کر خدا اور شیطان دونوں کو بیک وقت راضی رکھنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ ہمارے اندر پیروں، مذہبی راہنماؤں، واعظوں اور مفتیوں کا ایک ایسا طبقہ نمایاں طور پر موجود ہے جو ایک طرف بڑی بڑی شاندار خدماتِ دین سرانجام دیتا ہے اور دوسری طرف اس کی ساری ذہنی اور عملی قوتیں دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کو ناکام بنانے میں صرف ہوتی ہیں۔

ہمارے اس پاکستان کے سرمایہ دار اور زمیندار صنعتی اور زرعی محنت کشوں کی جانوں کو ظلم کے کولہو میں پیل پیل کر نفع اندوزی کرتے ہیں۔ ہمارے تاجروں کی اکثریت ایسی ہے جو ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری،

جھوٹ اور وعدہ خلافی، فریب اور عیاری، ناپ تول کی کمی بیشی اور اجناس میں ملاوٹ کے بل پر اپنی کمائیوں میں اضافہ کر رہی ہے۔ ہمارے دفتری عہدہ داروں اور کارندوں کا حال یہ ہے کہ ان میں شاذ ہی ایسے افراد ملیں گے جو خیانت، رشوت، جنبہ داری، سفارش، کنبہ پروری، تضیع اوقات اور کام چوری کی اخلاقی بیماریوں میں ملوث نہ ہوں۔ ہماری معاشرت کے عین سایۂ دیوار میں زنا کے اڈے اور زنا کی تعلیم و ترغیب دینے کے مراکز قائم ہیں اور دلوں کی عصمت اور نگاہوں کی پاکیزگی کم ہی کہیں سلامت رہ گئی ہے۔ جرائم کی کثرت کو دیکھیے تو حال یہ ہے کہ اغوا، جوئے، جیب تراشی، چوری، ڈکیتی، قتل اور فریب دہی وغیرہ کے لیے ہمارا معاشرہ فوجوں کی فوجیں ترتیب دے کر میدان میں اتار رہا ہے۔

پھر ہماری یہ محبوب سرزمین اپنے پردۂ تاریخ پر یہ عبرتناک ڈرامہ بھی پیش کر رہی ہے کہ اس قوم کے دینی حس رکھنے والے لوگ اپنی قوتوں کی پونجی اقامت دین کے کام میں صرف کر رہے ہیں اور مقابلے میں اسی قوم کے اُبھارے ہوئے ایک طبقے کے افراد ہیں جو قیادت و اقتدار کی مسندوں پر قابض ہو کر خود اس قوم کے اجتماعی ذرائع و وسائل کو دین کو تباہ کرنے میں جھونک رہے ہیں۔ الحاد اور بے دینی اور بے پردگی کا طوفان اٹھانے میں کوئی کسر نہیں رہنے دی گئی۔ پھر نظربندی، قید، پھانسی، ضبطیٔ املاک، جرمانوں، مقدمہ بازی، اخبارات کی بندش، زبان بندی، دفعہ ۱۴۴ اور دوسرے جابرانہ قوانین کے استعمال سے خدا کے دین کی طرف دعوت دینے والی طاقت کا راستہ روکا جاتا ہے۔ ملک کے سات برس ایک غیر اسلامی دستور کے تحت گذر گئے ہیں اور اس دوران میں ایک اسلامی دستور کی تدوین سے گریز کی ہر تدبیر آزما ڈالی گئی ہے اور اس کام کی تکمیل کو معرضِ التوا میں ڈالنے کے لیے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عذر اور حیلے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

یہ روش مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انحراف اور سرکشی کی روش ہے۔ خدا کو مان کر اور اس کے دین پر ایمان لانے کا پیمان باندھ کر پھر باغیانہ طرزِ عمل اختیار کرنا ہمیشہ اس کا موجب ہوتا رہا ہے کہ ایک قوم پر غضبِ الٰہی کا سیلاب امڈ پڑے۔

آج جس مصیبت سے ہم دوچار ہیں اس کا تازیانہ لگا کر چاہیے کہ ہماری آنکھیں کھل جائیں اور ہم اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لے کر اس میں تبدیلی پیدا کریں۔ خدا کے سامنے اب تک کے کیے پر ندامت کے آنسو بہائیں اور آئندہ کے لیے بندگی و طاعت کا نیا پیمان استوار کریں۔ ایک طرف افراد اپنی انفرادی زندگیوں کی تعمیرِ نو پر متوجہ ہوں، وہ دین اور کفر، نیکی اور بدی، خیر اور شر، حق اور باطل، حلال اور حرام، تقویٰ اور فسق و فجور میں امتیاز کرنا سیکھیں، وہ عصمت اور فحاشی میں فرق کریں۔ وہ مادہ پرستی اور حق پرستی کے تفاوت کو سمجھیں۔ دوسری طرف اجتماعی زندگی کی بنیادیں اسلامی آئین پر استوار کی جائیں اور ماحول کو انسانیت کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کی نشوونما کے لیے سازگار بنانے میں پوری پوری محنت صرف کی جائے۔

پاکستان اس لحاظ سے ایک ایک مسلمان کی امیدوں کا مرکز ہے کہ اس کی فضا میں دعوتِ اسلامی کی اذان کی گونج سنائی دے رہی ہے اور اس کے شہروں اور قریوں میں نظامِ حق کی تحریک موجزن دکھائی دیتی ہے۔ ایسے موقع پر مصائب کی یورش سے جہاں بہت سے نقصانات پہنچتے ہیں وہاں خیر کا ایک پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دل پگھلتے ہیں، جذبات میں رقت آتی ہے۔ خدا کی طرف دلوں کا میلان بڑھتا ہے سچائی کے لیے ذہنوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ بسا اوقات کسی کشتی کو مشیت اسی لیے گردابوں میں لا پھنساتی ہے کہ اس کے سواروں کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ جائیں۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ظہور پر بھی ایک موقع ایسا آیا تھا کہ قریش اور آس پاس کے قبائل مشکلات میں گھر گئے۔ یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے کہ انبیاء کے مخاطبین جب دعوتِ حق کے مقابلے میں سنگ دلی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے مصائب بھی نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف رکوع ۱۲ میں فرمایا:۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ (اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ مبتلا کیا ہو ہم نے انہیں سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں۔)

خوش قسمت ہوتی ہے وہ قوم جو نعمت پا کر شکر کا حق ادا نہ کرنے کے بعد کم سے کم مصیبت کے نازل

ہو جانے پر ہوش میں آجائے اور بدنصیب ہے وہ گروہ انسانی جسے حادثات کے تازیانے بھی خواب غفلت سے چونکا نہ سکیں، حتیٰ کہ غضبِ الٰہی کا کوئی آخری ریلا آئے جو اسے ملیا میٹ کر دے۔

نزولِ مصیبت کی صورت میں ایک قوم کے کردار کا بڑا امتحان بھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے امتحانات سے گذار کر اسے آگے پیش آنے والے بڑے بڑے معرکوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے مشیت یہ جانچنا چاہتی ہے کہ کوئی گروہِ انسانی اپنے اندر عزم و ثبات، نظم و ضبط اور قربانی و ایثار کی کتنی صلاحیتیں رکھتا ہے اور ان صلاحیتوں کو کس پیمانے پر بروئے کار لا سکتا ہے۔ ایک اجتماعی حادثے کے بپا ہو جانے پر کسی ملک کے عام لوگ کیا ردِ عمل دکھاتے ہیں، وہ مایوس اور بددل ہو کر اپنے آپ کو ناسازگار حالات کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں یا بقا کے لیے پوری جدوجہد کرتے ہیں، وہ تھڑدلے پن کا ثبوت دیتے ہیں یا ہمت و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہ نفسا نفسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا جسم واحد بن کر اخوت کے جذبات کو روبہ عمل لاتے ہیں اور وہ ہجومِ مشکلات میں فطرت کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں یا اپنے کردار میں غیرت و حمیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ آبادی کا جو حصہ براہِ راست کسی آفت کا شکار ہوتا ہے وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے اور جس پر براہِ راست زد نہیں پڑتی وہ کس روش پر چلتا ہے پھر آزمائش اس بات کی بھی ہوتی ہے کہ ملک کی سیاسی اور معاشرتی اور مذہبی تنظیمیں اور ادارے اور طبقات کیا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ وہ تعصبات اور اختلافات کی کشمکش کو بدستور جاری رکھتے ہیں یا اپنے بھائیوں کو سہارا دینے کے لیے تعاون اور ہم آہنگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ امتحان حکومت کی مشینری اور اس کے پرزوں اور ڈرائیوروں کا بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک ہنگامی صورت حالات میں کس درجہ کی زود کاری، یک جہتی، منصوبہ بندی اور کس درجے کے ڈسپلن کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ہمارا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اس کا ردِعمل دونوں خطوں میں جس طرح سامنے آیا ہے، وہ مایوس کن نہیں بلکہ حوصلہ افزا ہے۔ ہمارے مصیبت زدہ بھائی عزم و حوصلہ کے ساتھ آزمائش کا مقابلہ کر رہے ہیں اور باقی آبادی اتفاق اور ایثار اور ہمدردی کے جذبات کا

نہایت اچھا مظاہرہ کر رہی ہے۔ لیکن چونکہ مصیبت کا پیمانہ بہت بڑا ہے، اثرات بڑے دُور رس ہیں اور بہت دیر تک ان زخموں کی چارہ گری کرنی پڑے گی جو اس دوران میں ہماری اقتصادی زندگی کو لگے ہیں، لہٰذا لمبے عرصے تک کام کرنے والے ٹھنڈے جذبات کے ساتھ ابھی ملک کے ایک ایک فرد کو قربانی دینا ہے۔

ملتِ اسلامیہ جن اخلاقی اوصاف کے ساتھ اٹھائی گئی ہے ان میں ایک نمایاں وصف نوعِ انسانی، برادرانِ وطن اور بالخصوص اسلامی برادری کے لیے ہمدردی اور قربانی کا وصف ہے۔ زوال اور انحطاط کے دور میں بھی اس کی قابلِ فخر مثالیں ہماری اگلی پچھلی نسلوں نے پیش کی ہیں۔ اب پھر ایک موقع آیا ہے کہ ہم اپنے ملی کردار کے اس پہلو کو پوری طرح اُجاگر کریں۔ ہم ہر اس تکلیف کو اپنی تکلیف کی طرح محسوس کریں جو ہمارے بھائیوں کو کروڑوں کی تعداد میں درپیش ہے۔ ہم یوں سمجھیں کہ گویا ہم بے گھر ہو کر درختوں سے ٹنگ رہے ہیں، وہ ہم ہی ہیں جو ایک مٹھی اناج کے لیے محتاج ہو گئے ہیں، وہ ہم ہی ہیں جن کے تنوں کی عریانی ایک ایک چیتھڑے کی منت کش ہے، وہ ہم ہی ہیں جن کے بچے موجوں کا لقمہ ہو رہے ہیں، وہ ہم ہی ہیں جو سانپوں اور بچھوؤں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں، اور وہ ہم ہی ہیں جن کے سامنے مہلک وبائیں منہ کھولے کھڑی ہیں۔ اس طرح کے گہرے احساسِ اخوت کے ساتھ ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا سے مصیبت کے لشکروں کو واپس ٹلنے کی دعائیں بھی کریں اور اپنے بھائیوں کی ایک ایک ضرورت کے لیے جذبۂ انفاق سے پورا پورا کام بھی لیں۔

ہر پاکستانی مسلمان کی طرف سے اسلامی اخوت و ہمدردی کے ایک غیر معمولی عملی مظاہرے کی ضرورت اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ دونوں خطوں کی دینی و مقصدی اور ملی و سیاسی وحدت کو بعض مفاد پرست عناصر نے جو چرکے جاہلی عصبیتوں کے نعروں سے لگائے ہیں، یہی چیز ان کے لیے مرہم اندمال بن سکتی ہے۔ پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم، مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی تعیین اور قومی زبان کے مسئلے کو غلط رنگ دے کر مختلف خطوں میں غیریت اور بیگانگی کے غیر اسلامی رجحانات

پیدا کرنے کی جو افسوسناک کوششیں اب تک ہوتی رہی ہیں ان کے اثرات کو باطل کرنے اور فضا کو ان کے لیے بالکل ناسازگار بنا دینے کے لیے یہ موقع نہایت ہی اہم موقع ہے۔ اس موقع پر اگر ہر صوبہ صحیح اسلامی اخوت کا تحفہ دوسرے صوبے کے سامنے پیش کر دے تو دونوں خطوں میں وہ مضبوط جوڑ لگ سکتا ہے جس کے کمزور ہونے کی وجہ سے ہماری سیاسی فضا میں نامطلوب صورت حالات کا طوفان اٹھا۔ یہ موقع ہے اس حقیقت کے واضح کر دینے کا کہ پاکستان کی اسلامی مملکت کے پٹھان، پنجابی، سندھی اور بنگالی سب ایک ہیں، مہاجر اور انصار ایک ہیں، سرمایہ دار اور مزدور ایک ہیں لیڈر اور عامی ایک ہیں۔ اور ان سب کو احیائے اسلام کا ایک مقصدِ اعلیٰ باہم دگر ایک ٹیم کی طرح وابستہ کیے ہوئے ہے۔

ایسا مظاہرہ نہ صرف یہ کہ صوبہ پرستوں کے بلند کیے ہوئے نعروں کے زہر سے فضا کو پاک کر سکتا ہے، بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے مفاد پرست فتنہ گردوں کے فتنوں کی جڑ کاٹ سکتا ہے۔ یہ بہترین علاج ہے صوبائی اور علاقائی عصبیتوں کا، یہ بہترین مداوا ہے طبقاتی اور گروہی تقسیموں کا، اور یہ بہترین دوا ہے ملک بھر کے اونچے مقاصد سے صرفِ نظر کر کے محدود نسلی اور مقامی مسائل کو اہمیت دینے کی بیماری کا!

ہم اپیل کرتے ہیں کہ اس موقع کو ہماری قوم ضائع نہ کرے!

ان امور کے پیشِ نظر جماعت اسلامی نے اپنا یہ فرض محسوس کیا ہے کہ وہ پورے پاکستان کے سیلاب زدگان کی اعانت کے لیے ایک اجتماعی مہم شروع کر کے حکومت اور دوسرے اداروں کی سرگرمیوں کو مزید تقویت پہنچائے۔

اس جماعت نے اپنے آپ کو کبھی بھی ان سیاست باز گروہوں کی سطح پر نہیں گرنے دیا جن کا کام تمام تر نعروں اور تقریروں اور جلسوں اور جلوسوں پر مشتمل ہوتا ہے اور جو حکومت کے خلاف احتجاج (AGITATION) کرتے رہنے کے سوا اور کوئی تعمیری ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ یہ جماعت

قوم کی سیاسی تربیت و تنظیم کے ساتھ ساتھ اس کے تمام مسائل اور مصائب میں عملاً حصہ دار رہی ہے۔ جماعت اسلامی کا شعبۂ خدمتِ خلق ایک لاکھ روپے کے سالانہ بجٹ سے معمولی حالات میں بھی معاشرے کی نہایت اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ کوئی ہنگامی مصیبت آتی ہے تو اوّل روز سے جماعت ایسے موقعوں پر برادرانِ ملک اور برادرانِ دین کی خدمت کے لیے حکومت اور دوسرے اداروں کے دوش بدوش، بلکہ پیش پیش ہو کر کام کرتی ہے۔

اس وقت جماعت اسلامی نے سیلاب زدگان کی اعانت کے لیے ایک فنڈ کھول رکھا ہے جس کے واسطے تقریباً ستر ہزار روپیہ مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کے لیے جمع کیا جا چکا ہے اور اس سے دو چند قیمت کے کپڑے، غذائی سامان اور ادویہ فراہم کی گئی ہیں۔ لہٰذا انکی ترسیل کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ یہ امداد مشرقی پاکستان کی جماعت اسلامی کے اپنے کارکنوں کے ذریعے مستحقین تک پہنچائی جائے گی۔ اب مشرقی پاکستان کے لیے اعانت فنڈ ختم کر دیا گیا ہے اور یکم اکتوبر سے ساری اعانتیں پنجاب کے لیے فراہم کی جائیں گی۔

نہ معلوم وہ کیا جذبات ہیں جن کے تحت بعض افراد اور گروہ جماعت کی اس قابلِ قدر خدمت پر بھی برہمی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس کام میں کیڑے ڈالنے کے لیے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ جب حکومت نے ایک فنڈ کھول دیا تھا اور اعانت کی مہم شروع کر دی تھی تو آخر جماعت اسلامی نے الگ سے کیوں یہ کام شروع کیا۔ ان حضرات کو شاید یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ جماعت اسلامی نے اعانت فنڈ کی اپیل پہلے کی ہے اور حکومت نے بعد میں یہ کام شروع کیا ہے۔

دنیا بھر کی زندہ و منظم قوموں کا معمول یہی ہے کہ جب کوئی عظیم مصیبت پیش آتی ہے تو حکومت تنہا میدان میں نہیں اترتی بلکہ ساری کی ساری جماعتیں اور ادارات اپنے اپنے نظم کے تحت حرکت میں آجاتے ہیں، کیونکہ ہر جماعت اور ادارے کا اپنا ایک حلقۂ اثر اور ایک حلقۂ اعتماد ہوتا ہے جس کے جذبات اسی کی اپیل اور حرکت پر پوری طرح کام کرتے ہیں۔ کسی معقول معاشرے میں اس طرح کے جذبات کا مظاہرہ نہیں ہوتا کہ جب ہم یا ہماری کوئی معتمد پارٹی کام کر رہی ہے تو کوئی دوسری جماعت کیوں میدان میں آئی کسی تربیت یافتہ

ملت میں یہ حاسدانہ اور رقیبانہ نقطۂ نظر نمودار نہیں ہوتا کہ اگر ہمارے کسی محبوب گروہ کے علاوہ عوام کی خدمت کسی اور نے بھی انجام دی تو وہ قبولیت و اعتماد کی فصل میں سے حصہ لے اُڑے گا۔ ایسے نازک موقعوں پر ایسی گھٹیا ذہنیت پیش کرنے کے بجائے ہوتا یہ ہے کہ معاشرے کی تمام منظم طاقتیں کمربستہ ہو کر سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔ مصیبت زدوں کی اعانت میں سرمایہ لگا کر اثر و رسوخ کا منافع حاصل کرنا اگر کسی کا مطمح نظر ہو، اور اگر کوئی جماعت ہنگامی حالات میں بھی اپنی "واحد نمائندگی" کا منصب حاصل کرنے کے درپے ہو تو درحقیقت اس سے ذلیل کوئی ذہنیت نہیں ہو سکتی۔

اظہارِ فخر کے طور پر نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت اور بیانِ واقعہ کے طور پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ جماعت اسلامی نے قومی مصائب و حوادث کے مختلف مواقع پر جو خدمت بھی سرانجام دی ہے، گو وہ کتنی ہی حقیر ہو لیکن بعض پہلوؤں سے ویسی خدمت عمالِ حکومت یا عوامی کارکن کبھی سرانجام نہیں دے سکے۔ اِن امدادی مہمات میں جماعت سے تعاون کرنے والے بہت سے اصحاب نے ہمارے کارکنوں سے یہ کہا ہے کہ اگر آپ لوگ ہمارے پاس نہ آتے تو ہمیں کچھ دینے میں بہت تأمل ہوتا۔ رقوم و اشیاء کی فراہمی کے بعد جب ان کی تقسیم کا مرحلہ آتا ہے تو اُس وقت بھی ہم ایسے مستحقین کو مدد پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں جن کا احتیاج سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے لیکن جن کی حالتِ زار پر توجہ دینے والا کوئی بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس وقت بھی مشرقی پاکستان میں ہمارے رفقاء اپنی جانوں پر کھیل کر ایسے ایسے دُور افتادہ مقامات تک مدد پہنچا رہے ہیں، جہاں تک جانے کا ارادہ یا جرأت و ہمت کسی دوسرے میں نہیں ہے۔

پھر ہمارے کارکن ان حادثات میں ایسے کاموں کو بھی پوری تندہی اور جانفشانی سے کرتے ہیں جن کاموں کو دوسرے لوگ اپنے مرتبے سے فروتر سمجھتے ہیں۔ ہمارے ساتھی متعفن بدروؤں اور غلاظت کے ڈھیروں کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہیں، سڑی ہوئی میتوں کی تغسیل و تکفین کرتے ہیں، نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں اور خود قبر کھود کر اپنے بھائیوں کو اُن کی آخری آرامگاہ تک پہنچاتے ہیں۔

جماعت اسلامی مصیبت زدوں کی خدمت محض ایک دینی و اخلاقی فرض کی حیثیت سے ادا کرنا چاہتی ہے اور اس سے اُس کا مقصود رضائے الٰہی کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں!

اس جماعت کے پیش نظر ایک اور اہم مقصد بھی ہے جس کے لیے وہ مختلف ہنگامی مواقع پر اپنے نظم کے تحت باشندگانِ ملک کی خدمات انجام دیتی ہے۔ وہ اہم مقصد اپنے کارکنوں اور ملکی اور دینی بھائیوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت ہے۔

جماعت اسلامی لوگوں میں یہ اسپرٹ پیدا کرنا چاہتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے دین کی خدمت اور اس کے بندوں کی اعانت کے لیے ٹھیک اسلامی جذبات کے ساتھ انفاق کرنا سیکھیں۔ ہمارے ہاں انفاق ہوتا ہے مگر بالعموم اس طرح ہوتا ہے کہ کہیں شہرت و نمود کے جذبے کی تسکین کا سامان کیا جاتا ہے؛ کہیں ملک کے وزراء اور عہدہ داروں کی خوشنودی کا حصول مدِنظر ہوتا ہے تاکہ ان کی اپیل پر لبیک کہہ کر یا اس کے سامنے چندہ کی تھیلیاں پیش کر کے بعد میں ان کی خوشنودی سے فوائد حاصل کیے جاسکیں، کہیں کھیل،[1] ڈراموں اور مشاعروں کی لذتِ تفریح کی قیمت کے طور پر چند سکے جیبوں سے نکالے جاتے ہیں۔ جماعت اسلامی اس کوشش میں ہے کہ لوگ نام و نمود، اثر و رسوخ اور مادّی فوائد کے حصول سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا مال صرف کرنے کی خصلت پیدا کریں۔

پھر جماعت اسلامی قوم کے کیرکٹر کو اس پہلو سے بھی تیار کرنا چاہتی ہے کہ قوم کی اجتماعی ضرورت کے فنڈز جب کچھ ہاتھوں میں بطور امانت سونپے جائیں تو وہ ہر خیانت سے محفوظ ٹھیک اس مصرف پر جا کے صرف ہوں جس کے لیے وہ سونپے گئے تھے۔

پھر وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے رقوم اعانت کے حصول اور ان کو صحیح مصرف تک پہنچانے کا سارا کام ضبط و نظم اور سرعتِ رفتار کے ساتھ سرانجام پائے۔

پاکستان کے اجتماعی کیرکٹر کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کا یہ کام پوری اہمیت کے ساتھ کرنے والی کوئی دوسری طاقت موجود نہیں ہے۔ مختلف جماعتیں اور ادارے اور سب سے بڑھ کر حکومت اور اس کے مختلف محکمے اگرچہ فنڈز کی بہت بڑی مقدار سیلاب زدگان کے لیے فراہم کریں گے اور مصیبت زدگان کی بے شمار

---

[1] لاہور اور کراچی میں چندہ حاصل کرنے کے لیے فلمی تماشوں یعنی ایکٹریس اور ایکٹروں کے کرکٹ میچ کا انتظام کیا جارہا ہے۔ بعض مقامات پر ناچ اور گانے کی مجالس اسی مقصد سے منعقد کی جارہی ہیں۔

ضروریات ان کے ہاتھوں پوری ہو سکیں گی، لیکن اعانت کے کام کے ساتھ ساتھ قومی اخلاق کی تعمیر اور اجتماعی ذہن کی اسلامی تربیت کا اہتمام کرنا کسی کے مدِنظر نہیں ہے۔ یہی وہ اہم پہلو ہے جس کا لحاظ کرتے ہوئے جماعت نے مختلف مواقع پر اپنے نظم کے تحت قوم کی خدمات انجام دی ہیں۔